اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بہت رحم والا ہے

براهینِ و معجزات کا انسائیکلوپیڈیا

محمد ﷺ کی نبوت اور قرآنِ کریم کی سچائی کے دلائل

سائنسی معجزات · تاریخی و آثاری شواہد · پوری ہونے والی پیشین گوئیاں

تورات و انجیل کی بشارتیں · جِن، جادو اور غیب کی دنیا

اِتنی آسانی سے سمجھایا گیا کہ بچہ بھی سمجھ لے · 157 رنگین خاکے

157 دلائل، قوّت کی ترتیب سے

چھٹا باب

زبان کا اعجاز اور چیلنج

سب سے بڑا معجزہ نہ آسمان میں ہے نہ زمین میں... بلکہ خود کتاب میں ہے: ایک کھلا چیلنج جو چودہ سو برس سے قائم ہے اور کسی کو اُسے قبول کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

12 دلائل

146

تین درجے نیچے آنے والا چیلنج... پھر بھی قبول نہ ہوا

> اور اگر تمہیں اُس کلام کے بارے میں شک ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے، تو اِس جیسی ایک ہی سورت بنا لاؤ، اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلا لو، اگر تم سچے ہو
>
> سورہ بقرہ – آیت 23

1 — **قرآن جیسا کلام** — پورا
→ 2 — **دس سورتیں** — گھڑی ہوئی
→ 3 — **ایک ہی سورت** — خواہ چھوٹی ہو

اور ایک بھی نہ لائی جا سکی... چودہ صدیوں سے

چیلنج درجہ بہ درجہ نیچے آتا ہے، یہاں تک کہ کم سے کم ممکن حد پر آ جاتا ہے

آسان لفظوں میں

قرآن نے عربوں کو چیلنج دیا کہ اِس جیسا کلام لے آئیں۔ وہ عاجز رہے تو تخفیف ہوئی: دس سورتیں۔ پھر بھی عاجز رہے تو مزید تخفیف: **صرف ایک سورت**، خواہ وہ تین چھوٹی آیتوں کی ہو۔ اور آج تک کوئی اُسے نہ لا سکا۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

عرب **بلا شرکتِ غیرے اہلِ بیان تھے**۔ شعر اُن کا دیوان اور اُن کا فخر تھا، عکاظ اور ذی المجاز میں اُس کے بازار لگتے تھے، یہاں تک کہ اُن کے بہترین قصیدوں کو بلندیِ مرتبہ کے سبب معلّقات کہا گیا۔ اُنہی میں امرؤ القیس، زہیر، لبید اور طرفہ تھے۔ اور اِس دعوت کو آسان ترین راستے سے گرانے کے وہ سب سے زیادہ محتاج تھے۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

چودہ صدیاں گزر گئیں، لوگوں نے کوشش کی مگر کوئی چیز ٹھہر نہ سکی۔ جو شخص مسیلمہ کذّاب اور ابن المقفّع وغیرہ کی طرف منسوب کلام پڑھے، وہ اُسے **مقابلہ نہیں بلکہ مذاق کا نشانہ** پائے گا۔ چیلنج آج بھی قائم ہے، اور آج وسائل کہیں بڑے ہیں: لسانی مجالس، جامعات، برقی لغات، اور اسلوب کا تجزیہ کرنے والے کمپیوٹر۔ اِس کے باوجود ایک متن بھی ایسا پیش نہ ہوا جس کے بارے میں اہلِ زبان کہیں: یہ اُس جیسا ہے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

اِس چیلنج میں دو باتیں ایسی ہیں جو اِسے منفرد بناتی ہیں۔ پہلی: **نیچے کی طرف تدریج** – یہ اُس کے اُلٹ ہے جو چیلنج دینے والا عموماً کرتا ہے۔ مبالغہ کرنے والا اپنے چیلنج کی حد اونچی رکھتا ہے تاکہ وہ ناقابلِ رسائی رہے؛ مگر اِس نے اُسے نیچے اُتارا، یہاں تک کہ کم سے کم ممکن حد پر آ گیا: **ایک ہی سورت، خواہ وہ قرآن کی سب سے چھوٹی سورت ہو**۔ دوسری: اُس نے **ہر کسی سے مدد لینے کی اجازت دی**: «اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلا لو» – یعنی سب مل جاؤ اور جسے چاہو بلا لو۔ پھر ایک دوسری آیت میں نتیجہ پیشگی طے کر دیا: «**پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے**» – مستقبل پر ایسا قطعی حکم کوئی جوا کھیلنے والا نہیں لگا سکتا۔

آپ اِس سے پہلے کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے

اور آپ اِس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اُسے لکھتے تھے، ورنہ باطل پرست ضرور شک میں پڑ جاتے

سورہ عنکبوت – آیت 48

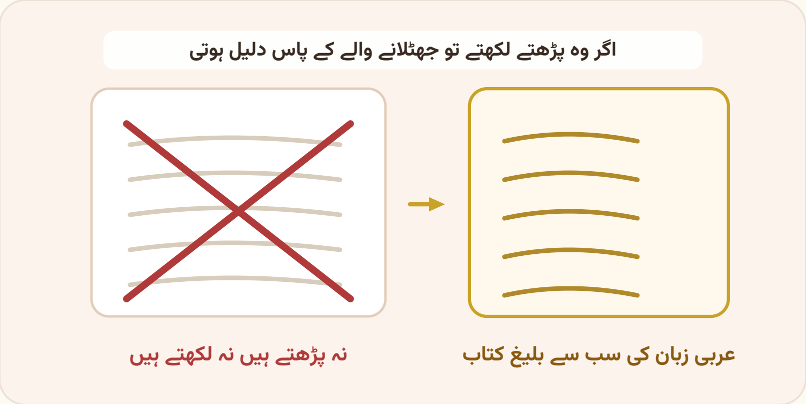

یہاں اُمّی ہونا نقص نہیں… بلکہ یہی دلیل ہے

آسان لفظوں میں

نبی کریم ﷺ **نہ پڑھ سکتے تھے نہ لکھ سکتے تھے**، اور نہ کسی سے تعلیم پائی تھی۔ آیت اِسی کا ذکر کرتی ہے اور اِس کی وجہ بھی بتاتی ہے: اگر آپ پڑھتے لکھتے ہوتے تو **لوگ شک کرتے** اور کہتے: کتابوں سے نقل کر لیا ہے۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

مکّہ میں لکھنا پڑھنا کم تھا اور اُمّیت غالب تھی۔ اِس کے باوجود مکّہ میں ایسے لوگ بھی تھے جو پڑھتے لکھتے تھے، اور جزیرۂ عرب میں یہود و نصاریٰ تھے جن کے پاس کتابیں اور علما تھے۔ چنانچہ اگر نبی کریم ﷺ پڑھے لکھے ہوتے تو الزام تیار تھا اور اُس کا کوئی جواب نہ ہوتا۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

نبی کریم ﷺ کا اُمّی ہونا آپ کی سیرت کے سب سے زیادہ ثابت شدہ تاریخی حقائق میں سے ہے، اور آپ کے زمانے کے مخالفوں نے بھی اِس میں جھگڑا نہ کیا – حالانکہ طعن کے سب سے بڑے حریص وہی تھے۔ اُنہوں نے **اِس کے سوا ہر الزام لگایا**: شاعر کہا، جادوگر کہا، کاہن کہا، مجنون کہا، اور کہا «اِسے تو ایک آدمی سکھاتا ہے» – تو قرآن نے جواب دیا: «جس کی طرف وہ اشارہ کرتے ہیں اُس کی زبان عجمی ہے، اور یہ صاف عربی زبان ہے»۔ یعنی جس شخص کی طرف اُنہوں نے اشارہ کیا، وہ عربی ہی اچھی طرح نہیں جانتا تھا۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

قرآن یہاں **وہ اعتراض خود پیش کرتا ہے جو اُس پر کیا جا سکتا تھا، پھر اُسے توڑ دیتا ہے**۔ یہ طریقہ وہی اختیار کرتا ہے جو پورا بھروسا رکھتا ہو۔ آیت کہتی ہے: تعجب یہ نہیں کہ یہ کتاب عظیم ہے، بلکہ یہ کہ وہ **ایسے شخص کی زبان سے آئی جو نہ پڑھتا ہے نہ لکھتا ہے**۔ پھر معاملہ اور سنگین ہے: اِس متن میں پچھلی اُمّتوں کی خبریں اور باریک تاریخی تفصیلات ہیں، میراث، عدالت اور جنگ کے مکمل احکام ہیں، اور ایسے کائناتی اُمور کا بیان ہے جو اُس وقت معلوم ہی نہ تھے۔ یہ سب ایسے شخص سے جو ایک سطر بھی نہیں پڑھ سکتا۔ اور یہی اِس فرمان کا مطلب ہے: «**ورنہ باطل پرست ضرور شک میں پڑ جاتے**» – یعنی آپ کی اُمّیت ہی وہ چیز ہے جس نے شک کا دروازہ بند کر دیا۔

148 تیئیس سال... اور ایک تضاد بھی نہیں

> کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اِس میں بہت سا اختلاف پاتے
>
> سورہ نساء — آیت 82

واقعات پر متفرق نزول، نہ کہ ایک نشست کی تالیف

جنگ و امن میں · فقر و غنا میں · ضعف و قوت میں
اور خوشی و غم، ہجرت و محاصرے میں... اور ایک حرف میں تضاد نہیں

ایسی کتاب جو ایک نشست میں نہ لکھی گئی، نہ اُس پر نظرِ ثانی ہوئی

آسان لفظوں میں

قرآن **تیئیس سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے** نازل ہوا، حالات کے مطابق ایک آیت اور کئی آیتیں — جنگ میں اور صلح میں، تنگی میں اور خوشحالی میں۔ اِس کے باوجود آپ کو اِس میں نہ کوئی تضاد ملے گا، نہ منہج کی تبدیلی، نہ کسی پہلی بات سے رجوع۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

کتابیں ایک نشست میں لکھی جاتی ہیں، پھر شائع ہونے سے پہلے اُن پر نظرِ ثانی اور اصلاح ہوتی ہے اور تضادات نکال دیے جاتے ہیں۔ قرآن اِس کے برعکس نزول کے **فوراً بعد** لوگوں کو سنا دیا جاتا، وہ اُسے یاد کر لیتے اور لکھ لیتے، پھر گزری ہوئی بات میں ترمیم کا کوئی راستہ نہ رہتا۔ اور جو کچھ مکّہ میں نازل ہوا، وہ ہجرت سے برسوں پہلے مخالفوں کے ہاتھ میں تھا۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

آج کوئی بھی شخص خود اِس کا امتحان لے سکتا ہے: وہ بیس سال تک تھوڑا تھوڑا کر کے ایسا متن لکھے جو عقیدہ، قانون، تاریخ، اخلاق، کائنات اور نفسِ انسانی سب پر بات کرے، پھر آخر میں اُس پر نظرِ ثانی کرے اور اُس میں کوئی تضاد نہ نکلے۔ محققین نے — مسلمان بھی اور غیر مسلم بھی — چودہ صدیوں تک قرآن میں تضاد ڈھونڈا، «مشکلِ قرآن» اور «تاویلِ مختلف الآیات» پر پوری پوری کتابیں لکھی گئیں، اور سب اِسی نتیجے پر پہنچیں کہ جو اختلاف نظر آتا ہے وہ **تنوّع کا اختلاف ہے، تضاد کا نہیں**۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

آیت یہاں کوئی دعویٰ نہیں، بلکہ **ایک قابلِ اطلاق علمی معیار** پیش کرتی ہے۔ کہتی ہے: اگر یہ انسانی ہوتا تو **تم اِس میں بہت سا اختلاف پاتے**۔ اور یہ منطقی طور پر درست ہے: جو متن بدلتے ہوئے حالات میں بیس سال پھیلا ہو، اُس میں اپنے کہنے والے کی بدلتی کیفیت کا اثر ضرور ہونا چاہیے۔ اور اِس سے عجیب تر یہ کہ حالات بدلنے سے لہجہ نہ بدلا: عفو و رحمت کی آیتیں **فتح کے بعد** اُترتی ہیں، پہلے نہیں؛ اور ثابت قدمی اور وعدے کی آیتیں **شکست اور محاصرے میں** اُترتی ہیں۔ اگر یہ متن اپنے کہنے والے کی حالت کا عکس ہوتا تو اِس کا اُلٹ متوقع تھا۔

ولید بن مغیرہ کی گواہی

> اللہ کی قسم! اِس میں حلاوت ہے، اِس پر رونق ہے، اِس کا نچلا حصّہ شاداب ہے اور اوپر کا حصّہ پھل دار،
> اور یہ کوئی انسان نہیں کہہ سکتا
>
> حاکم اور بیہقی نے دلائل میں روایت کیا — کتبِ سیرت میں مشہور

یہ قریش کے سب سے دانا اور سب سے سخت دشمن نے کہی

«اس میں شیرینی ہے… اور اس پر رونق ہے»

«اس کا نیچا حصہ سیراب، اور اوپری حصہ پھل دار»

«یہ کسی بشر کا کلام نہیں»

«پھر پلٹ کر بولا: «یہ تو بس نقل ہوتا چلا آیا جادو ہے»

حقیقت کا اعتراف کیا… پھر وہ بات کہی جو قوم کو خوش کرے

آسان لفظوں میں

ولید بن مغیرہ قریش کے ذہین ترین اور کلام کے سب سے بڑے پارکھ لوگوں میں سے تھا، اور دعوت کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا۔ جب اُس نے قرآن سنا تو نہایت خوبصورت تعریف کی اور کہا: **«یہ کوئی انسان نہیں کہہ سکتا»**۔ پھر اُس کی قوم نے دباؤ ڈالا تو کہنے لگا: «یہ تو بس ایک جادو ہے جو نقل ہوتا چلا آیا ہے»۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

قریش حج کے موسم سے پہلے کوئی ایک بات ڈھونڈ رہے تھے جو حاجیوں سے محمّد ﷺ کے بارے میں کہیں، چنانچہ وہ ولید کے پاس جمع ہوئے، کیونکہ وہ اُن میں سب سے زیادہ سمجھ دار اور شعر و بیان کا سب سے بڑا جاننے والا تھا۔ اُنھوں نے اُس کے سامنے رکھا: کاہن؟ مجنون؟ شاعر؟ جادوگر؟ — **اُس نے یہ سب رد کر دیے**، اور دلیلیں خود فنِ کلام ہی سے لایا۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

یہ واقعہ کتبِ سیرت و تفسیر میں مشہور ہے، اور اُسی کے بارے میں سورہ مدّثّر کی یہ آیتیں اُتریں: «**اُس نے سوچا اور اندازہ لگایا ۝ سو وہ مارا جائے، کیسا اندازہ لگایا ۝ پھر وہ مارا جائے، کیسا اندازہ لگایا ۝ پھر اُس نے دیکھا ۝ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑا ۝ پھر پیٹھ پھیری اور تکبّر کیا ۝ پھر کہا: یہ تو بس ایک جادو ہے جو نقل ہوتا چلا آیا ہے**»۔ آیتیں اُس کی نفسیاتی کیفیت کا نہایت باریک نقشہ کھینچتی ہیں: سوچ، پھر اندازہ، پھر نظر، پھر تیوری، پھر پیٹھ پھیرنا اور تکبّر، پھر وہ فیصلہ جس سے اُس نے قوم کو راضی کیا۔ اور کہانت اور شعر کو رد کرنے کی اُس کی دلیلیں تفصیل کے ساتھ اُسی سے منقول ہیں۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

مخالف کی گواہی سب سے مضبوط گواہی ہوتی ہے، خاص کر جب وہ **اُسی میدان کا ماہر ہو جس میں گواہی دے رہا ہے**۔ اور ولید شعر کا وہ حَکَم تھا جس کے سامنے قصیدے پیش کیے جاتے تھے۔ اُس نے قرآن اور ہر اُس چیز کے درمیان جو ظاہراً اُس سے ملتی جلتی تھی، ایک باریک فنی فرق کیا: شعر کے بارے میں کہا: «میں نے شعر کی ساری قسمیں جان رکھی ہیں… یہ شعر نہیں»، اور کہانت کے بارے میں کہا: «یہ کاہن کی زمزمہ خوانی ہے نہ اُس کا سجع»۔ پھر اُس کی ساخت بیان کی: «**اِس کا نچلا حصّہ شاداب ہے اور اوپر کا حصّہ پھل دار**» — یعنی اِس کا ظاہر خوبصورت ہے اور باطن معنی سے بھرپور۔ یہ کسی چاہنے والے کی تعریف نہیں، ایک دشمن ماہر کا فنی تجزیہ ہے۔ پھر **قوم کے دباؤ کے بعد** اُس کا اپنی بات سے پھر جانا — جو خود قرآن میں درج ہے — کھول دیتا ہے کہ جھٹلانا ایک سماجی موقف تھا، عقلی یقین نہیں۔

ماٰخذ ابن هشام — «السِّيرةُ النَّبَوِيّة» · البيهقي — «دَلائلُ النُّبُوّة»

نہ شعر، نہ نثر، نہ کاھنوں کا سجع

اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں — تم بہت کم ایمان لاتے ہو ۝ اور نہ کسی کاھن کا کلام — تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو

سورہ حاقّہ – آیات 41–42

ایسا متن جو عربی کے کسی معروف سانچے میں نہیں سماتا

آسان لفظوں میں

عربی میں بلند کلام کی تین صورتیں تھیں: **شعر** اپنے اوزان کے ساتھ، کھلی **نثر**، اور **کاہنوں کا سجع**۔ اور قرآن اِن میں سے کوئی ایک بھی نہیں — بلکہ اپنی الگ صنف ہے جو خود اپنے پاؤں پر کھڑی ہے۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

عرب روئے زمین پر شعر کے اوزان، بحروں اور قافیوں کے سب سے بڑے جاننے والے تھے، شعر کی شکستگی کو طبیعت سے پہچان لیتے تھے۔ وہ کاہنوں کا سجع بھی جانتے تھے اور اُس کے تکلّف پر ہنستے تھے۔ اِس کے باوجود **قرآن کے بارے میں اُن کی بات سخت ڈانواں ڈول رہی**: کہا شعر ہے، پھر جادو، پھر کہانت، پھر پہلے لوگوں کی کہانیاں — اور ہر رائے پچھلی رائے کو توڑ دیتی تھی۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

قرآن شعر سے مختلف ہے، کیونکہ وہ **نہ کسی وزن پر چلتا ہے نہ کسی پابند قافیے پر**؛ نثر سے مختلف ہے، کیونکہ اُس میں **اندرونی آہنگ اور باقاعدہ فواصل** ہیں؛ اور سجع سے مختلف ہے، کیونکہ کاہنوں کے سجع میں **فاصلے کی خاطر لفظ میں تکلّف کیا جاتا ہے**، جبکہ قرآن کے فواصل معنی کے تابع آتے ہیں، اُس پر حاکم نہیں ہوتے۔ فاصلے اور کاہنوں کے سجع کا یہ فرق عربی بلاغت کے علما کے ہاں ایک طے شدہ مبحث ہے۔ اور مستشرق آربری نے کہا کہ قرآن کی بلاغت اور آہنگ اِس قدر قوی اور مؤثر ہیں کہ ہر ترجمہ اصل کی رونق کا ایک پھیکا عکس ہی رہ جاتا ہے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

درجہ بندی میں مخالفوں کا یہی اضطراب دلیل ہے۔ جب کسی فن کے ماہر ایک متن کو اپنے فن کے کسی باب میں رکھ نہ سکیں، اور ایک مجلس سے دوسری مجلس تک اُن کی بات خود اپنے آپ کو کاٹتی رہے، تو یہ اِس بات کی علامت ہے کہ وہ اُس صنف سے باہر ہے جسے وہ جانتے ہیں۔ اور قرآن نے یہی اضطراب اُن پر درج کیا: «**دیکھیے اُنھوں نے آپ کے لیے کیسی مثالیں بیان کیں، پس وہ بھٹک گئے**»۔ پھر اُنہیں اُسی معیار پر للکارا جس کے وہ ماہر تھے: نہ تلوار سے، نہ مال سے، بلکہ **اُسی صنعت سے جس میں وہ روئے زمین کے سب لوگوں سے بڑھ کر تھے**۔ اور جو شخص کوئی کتاب گھڑتا ہو، وہ اپنے مخالفوں کو اُسی میدان میں للکارنے کا جوا نہیں کھیلتا جس میں وہ سب سے آگے ہوں۔

مآخذ [Arberry — *The Koran Interpreted*]

ایسی کتاب جو اپنے لانے والے پر عتاب کرتی ہے

اُس نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا ۞ کہ اُس کے پاس نابینا آ گیا ۞ اور آپ کو کیا خبر، شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا

سورہ عبس – آیات 1–3

ایسی آیتیں جن میں نبی ﷺ پر کھلا عتاب ہے

«تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا» · «اللہ آپ کو معاف کرے، انہیں اجازت کیوں دی؟»

«نبی کے لیے قیدی رکھنا مناسب نہیں» · «اور آپ دل میں چھپا رہے تھے»

پھر نماز میں لوگوں کے سامنے بآوازِ بلند پڑھی جاتی ہیں

اور یاد کی جاتی ہیں، لکھی جاتی ہیں، مٹتی نہیں

جو کتاب گھڑتا ہے، وہ اُس میں اپنی ملامت نہیں رکھتا

آسان لفظوں میں

قرآن میں ایسی آیتیں ہیں جو **خود نبی کریم ﷺ پر عتاب کرتی ہیں** اور آپ کا ایک موقف درست کرتی ہیں۔ یہ آیتیں نماز میں بلند آواز سے لوگوں کو سنائی جاتی ہیں، چھوٹے بڑے اُنہیں یاد کرتے ہیں، اور نہ کبھی حذف ہوئیں نہ ہلکی کی گئیں۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

جو نبوّت کا دعویٰ کرے، اُسے **ایک مکمل اور بے عیب تصویر** چاہیے۔ اور اُس کے دشمن ہر لغزش کی تاک میں رہتے ہیں۔ تو ایسا متن اُترنا جو اُس پر عتاب کرے اور اُس کے اجتہاد کو غلط ٹھہرائے، پھر مسجد میں سب کے سامنے پڑھا جائے – یہ ہر سیاسی اور نفسیاتی حساب کے خلاف ہے۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

مثالیں بہت ہیں اور صاف ہیں: **پوری سورہ عبس** اُس وقت کے عتاب میں ہے جب آپ ایک نابینا سے منہ پھیر کر سردارانِ قریش کی طرف متوجّہ ہوئے؛ اور «**اللہ آپ کو معاف کرے، آپ نے اُنہیں اجازت کیوں دی**» تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں کو اجازت دینے پر؛ اور «**کسی نبی کے لیے مناسب نہیں کہ اُس کے پاس قیدی ہوں جب تک وہ زمین میں خوب خون نہ بہا لے**» بدر کے قیدیوں کے بارے میں؛ اور «**اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا، اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اُس سے ڈریں**»؛ اور «**آپ کیوں حرام ٹھہراتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا**»۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر نبی کریم ﷺ وحی میں سے کچھ چھپانے والے ہوتے تو یہی آیت چھپا لیتے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

یہ اِس باب کی سب سے مضبوط عقلی دلیلوں میں سے ہے، اور مؤرخین کے ہاں اِسے **«معیارِ شرمندگی»** کہا جاتا ہے: جو متن اپنے ناقل کے مفاد کو نقصان پہنچائے، وہ سچائی سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اور دیکھیے کہ عتاب کسی حاشیائی مسئلے میں نہیں ہوا، بلکہ **بڑے سیاسی اور فوجی فیصلوں میں** ہوا: قیدیوں کے ساتھ برتاؤ، منافقوں کو اجازت، اور گھر کا ایک ذاتی معاملہ۔ اِس پر ایک اور تفصیل بھی شامل کر لیجیے: قرآن نے **کچھ سوالوں کا جواب دیا اور کچھ کا نہیں دیا**، بلکہ واقعۂ اِفک میں، جب آپ کی زوجہ پر تہمت تھی، نبی کریم ﷺ سے وحی پورا ایک مہینہ رُکی رہی، یہاں تک کہ لوگوں نے جو کہنا تھا کہہ لیا۔ اگر معاملہ آپ کے اپنے ہاتھ میں ہوتا تو ایک دن بھی تاخیر نہ ہوتی۔

152

آپ ﷺ کا کلام قرآن سے کبھی نہیں ملتا

> اور وہ خواہش سے نہیں بولتے ۝ یہ تو بس ایک وحی ہے جو اُتاری جاتی ہے
>
> سورہ نجم — آیات 3–4

اسلوبی تجزیہ دونوں میں بغیر کسی دقّت کے فرق کر دیتا ہے

آسان لفظوں میں

نبی کریم ﷺ عربوں میں سب سے زیادہ فصیح تھے، اور آپ کی احادیث بلاغت کی چوٹی پر ہیں۔ اِس کے باوجود **آپ کی حدیث کسی کو بھی کبھی قرآن سے مشتبہ نہیں ہوئی** — دونوں اسلوب صاف طور پر الگ ہیں، اور کبھی ایسا نہ ہوا کہ کوئی حدیث قرآن کی طرف منسوب ہو گئی ہو۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

اگر قرآن آپ ﷺ کی اپنی تالیف ہوتا تو آپ کے پورے کلام میں ایک ہی اسلوب ہوتا — کیونکہ انسان ایک اسلوبی نقش رکھتا ہے جس سے وہ چھوٹ نہیں سکتا، خاص کر بیس سال کے عرصے میں۔ اور آپ کے صحابہ روزانہ دونوں سنتے تھے، مگر ایک لمحے کے لیے بھی اُن پر دونوں کا معاملہ خلط نہ ہوا۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

اسلوبی تجزیہ (Stylometry) آج ایک قائم علم ہے، جس میں الفاظ کی تقسیم، جملوں کی لمبائی اور تراکیب کی ساخت ناپ کر متن اُس کے لکھنے والے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ قرآن اور حدیث پر لاگو ہوا تو دونوں کا واضح فرق سامنے آ گیا۔ ساخت میں سب سے نمایاں فرق یہ ہے: قرآن **باقاعدہ فواصل**، التفات اور ضمیروں کے درمیان نقل و حرکت پر قائم ہے، اور حدیث اِس بناوٹ پر نہیں چلتی۔ پھر قرآن **خود نبی کریم ﷺ کو امر، نہی اور عتاب کے صیغے میں مخاطب کرتا ہے** اور آپ کو حکم دیتا ہے کہ «کہہ دیجیے» — تین سو سے زیادہ بار۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

اِس پر ایک تیسری قسم بھی شامل کر لیجیے: **حدیثِ قدسی** — یعنی وہ کلام جو نبی کریم ﷺ اپنے رب سے بامعنی نقل کرتے ہیں، اور اِس کے باوجود **وہ قرآن شمار نہیں ہوتی اور نماز میں نہیں پڑھی جاتی**۔ تو ہمارے پاس کلام کے تین درجے ہیں جو ایک ہی شخص کی زبان سے نکلے، اور حکم اور برتاؤ میں اُن کے درمیان قطعی فرق کیا جاتا ہے: قرآن کی تلاوت عبادت ہے، اُسی سے چیلنج دیا جاتا ہے، اور وہ حرف بہ حرف تواتر سے منقول ہے؛ حدیثِ قدسی معنی میں اللہ کی طرف منسوب ہے اور نبی کریم ﷺ کے اپنے الفاظ میں روایت ہوتی ہے؛ اور حدیثِ نبوی خود آپ کا کلام ہے۔ یہ **باریک سہ گانہ تمیز** پہلے دن سے قائم ہے اور کبھی گڈمڈ نہیں ہوئی۔ اور اگر یہ سب ایک ہی انسانی سرچشمے سے ہوتا تو بیس سال تک یہ جدائی برقرار رکھنا ممکن نہ تھا۔

مآخذ Stylometry · Burrows (2002) — *"Delta": a Measure of Stylistic Difference*

153

اور قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے

اور اے عقل والو! قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے، تاکہ تم بچتے رہو

سورہ بقرہ — آیت 179

اور قرآن نے کہا

«اور قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے»

حروف کم... اور معنی زیادہ

←

عرب کا سب سے بلیغ کلام

«قتل ہی قتل کو زیادہ روکتا ہے»

14 حرف

اِس میں زندگی ہے، محض قتل کی نفی نہیں · اور مقصد بتایا، ذریعہ نہیں

اور اسے عادلانہ قصاص سے مقید کیا، مطلق قتل سے نہیں

سینکڑوں مثالوں میں سے ایک، جنھیں علمائے بلاغت پڑھتے ہیں

آسان لفظوں میں

اِس مضمون میں عرب جس فقرے پر سب سے زیادہ فخر کرتے تھے، وہ یہ تھا: **«قتل ہی قتل کو سب سے زیادہ مٹاتا ہے»**۔ پھر قرآن ایسا جملہ لے کر آیا جو **حروف میں کم اور معنی میں کہیں زیادہ** ہے: «اور قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے»۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

«قتل ہی قتل کو سب سے زیادہ مٹاتا ہے» عربوں کے ہاں ایجاز کی چوٹی شمار ہوتا تھا اور بطورِ مثال پیش کیا جاتا تھا۔ وہ بڑے بڑے معانی کو تھوڑے لفظوں میں سمیٹنے کا مقابلہ کرتے تھے، اور اِسے فصاحت کا سب سے اونچا درجہ سمجھتے تھے۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

علمائے بلاغت نے دونوں کا فرق کھنگالا تو سات یا اِس سے زیادہ پہلو نکلے۔ سب سے نمایاں یہ: قرآن نے **زندگی** کا ذکر کیا، جو مطلوب و محبوب غایت ہے، اور مثال میں قتل کا ذکر تھا جو ناپسندیدہ ہے؛ قرآن نے اُسے **«قصاص»** کے ساتھ مقیّد کیا، یعنی عادلانہ اور جائز قتل، جبکہ مثال نے قتل کو مطلق چھوڑا تو اُس میں ظلم بھی آ گیا؛ قرآن نے **پورے معاشرے کے لیے ایک مسلسل زندگی** ثابت کی، محض ایک صورت کی نفی نہیں؛ اور اُس میں لفظِ «قتل» دو بار دہرانے کی نوبت نہ آئی؛ اور وہ اخلاقی غایت پر ختم ہوا: «تاکہ تم بچتے رہو»۔ یہ سب کم حروف میں۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

یہاں اہم صرف یہ ایک مثال نہیں، بلکہ **یہ کہ یہ کوئی استثنا نہیں ہے**۔ عربی بلاغت کے سارے علوم — معانی، بیان اور بدیع — اصل میں اِسی متن کے اعجاز کی تشریح کی کوشش میں پیدا ہوئے، اور اِن میں سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں: باقلانی کی «اعجازُ القرآن» سے لے کر عبدالقاہر جرجانی کی «دلائلُ الاعجاز» اور «اسرارُ البلاغہ» تک۔ یعنی **ایک پورا انسانی علم صرف ایک کتاب کے تجزیے کے لیے کھڑا ہوا** — اور روئے زمین کی کسی زبان کی تاریخ میں اِس کی کوئی نظیر نہیں۔ اور محققین آج تک اِس سے وہ کچھ نکال رہے ہیں جو اُن سے پہلے والے نہ نکال سکے۔

مآخذ الباقلّاني — «إعجازُ القرآن» · عبد القاهر الجرجاني — «دَلائلُ الإعجاز»

مجھے جوامعُ الکلم دیے گئے

مجھے جوامعُ الکلم دے کر بھیجا گیا ہے

بخاری و مسلم نے روایت کیا — متّفق علیہ

- «دین خیرخواہی ہے»
- «نہ نقصان اُٹھانا نہ پہنچانا»
- «اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے»
- «مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں»

چند کلمات… جن پر فقہ کے پورے پورے ابواب کھڑے ہوئے

کلّی قواعد، جو ہزاروں مسائل کو ترتیب دیتے ہیں

آسان لفظوں میں

نبی کریم ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ **تھوڑے لفظ کہتے اور اُن میں بہت سا معنی ہوتا**۔ چند لفظوں کی احادیث پر فقہ اور قانون کے پورے پورے باب کھڑے کیے گئے ہیں۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

مختصر حکمت ہر قوم میں معروف ہے: عربوں کی امثال، ہند کی حکمتیں، یونان کے مواعظ۔ لیکن یہ **عام اخلاقی نصیحتیں** ہیں، ایسے قواعد نہیں جن پر ایک مکمل قانونی نظام کھڑا ہو۔ اور حکمت اور فقہی قاعدے کا فرق بنیادی فرق ہے۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

ایک ہی مثال لیجیے: «**لا ضرر ولا ضرار**» یعنی نہ نقصان اُٹھانا ہے نہ نقصان پہنچانا — عربی میں صرف چار لفظ۔ اِن پر اسلامی فقہ کا ایک پورا باب کھڑا ہوا، جو پڑوس، تعمیر، طلاق، بیع، شفعہ، غصب، ملکیت اور مالک کے حق کی تحدید تک کو سمیٹتا ہے۔ اور یہ اُن **پانچ بڑے قواعد** میں شمار ہوا جن پر تمام فقہی مذاہب گھومتے ہیں۔ اور اِسی جیسا «اِنّما الاعمالُ بالنیّات» ہے، جسے ائمّہ نے تہائی علم قرار دیا، اور امام شافعی نے کہا کہ یہ فقہ کے ستّر ابواب میں داخل ہوتا ہے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

ایسا کلّی قاعدہ گھڑنا جو جامع بھی ہو اور مانع بھی، کسی طویل متن کے لکھنے سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ قاعدے کو ہر اُس چیز کو سمیٹنا ہوتا ہے جو اُس کے تحت آتی ہے، اور ہر اُس چیز کو باہر رکھنا ہوتا ہے جو نہیں آتی، اور ایسی صورتوں کے سامنے بھی ٹھہرنا ہوتا ہے جو اُس کے کہنے والے کے وہم میں بھی نہ تھیں۔ آج قانون ساز اِسی پر محنت کرتے ہیں تو اُن کے متن جلدوں میں نکلتے ہیں، پھر ہر سال اُن میں ترمیم ہوتی ہے۔ مگر چار لفظوں کا ایک متن چودہ صدیوں تک قائم رہے، اور ایسے نئے مسائل کو بھی سمیٹ لے جو اُس وقت موجود ہی نہ تھے — جیسے صنعتی آلودگی اور برقی نقصان — تو یہ ٹھہر کر سوچنے کی چیز ہے۔ اور دیکھیے کہ حدیث خود اِسے کسب نہیں بلکہ عطا کہتی ہے: «**مجھے بھیجا گیا** جوامعُ الکلم کے ساتھ»۔

مآخذ ابن رجب — «جامعُ العُلوم والحِکَم» · السيوطي — «الأشباهُ والنَّظائر»

لاکھوں سینوں میں محفوظ کتاب

بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں، اُن لوگوں کے سینوں میں جنہیں علم دیا گیا

سورہ عنکبوت — آیت 49

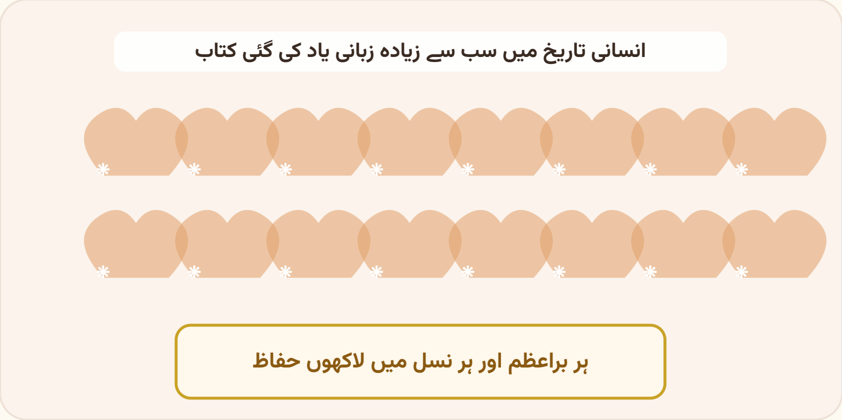

ہر سینے میں ایک زندہ نسخہ — نہ جلایا جا سکے، نہ بدلا جا سکے

آسان لفظوں میں

قرآن صرف کتابوں میں محفوظ نہیں ہوا — بلکہ **لوگوں کے سینوں میں**۔ اور چودہ صدیوں سے ہر نسل میں لاکھوں انسان اُسے یاد کرتے آئے ہیں، جن میں ایسے بچّے بھی ہیں جو عربی بولتے ہی نہیں۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

پرانی کتابیں گنے چنے نسخوں میں کاہنوں اور علما کے پاس رہتی تھیں۔ کتب خانہ جل جاتا یا نسخہ گم ہو جاتا تو کتاب ہی ختم ہو جاتی — اور بہت سی کتابوں کے ساتھ یہی ہوا، جو اب صرف اپنے ناموں سے جانی جاتی ہیں۔ اور اُمّیت کسی بھی متن کے پھیلنے میں رکاوٹ تھی۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

قرآن کے حافظوں کی تعداد آج لاکھوں میں شمار کی جاتی ہے — انڈونیشیا، نائجیریا، ترکی، پاکستان، عرب ممالک، یورپ اور امریکہ میں۔ اُن کے لیے بین الاقوامی مقابلے ہوتے ہیں، جن میں وہ ضبط اور تجوید کے ساتھ حرف بہ حرف حفظ کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اور **اُن میں اکثر غیر عرب ہیں** — یعنی وہ ایسا متن یاد کرتے ہیں جو اُن کی مادری زبان میں نہیں۔ اور انسانی تاریخ میں کوئی دوسری کتاب معلوم نہیں جو اِتنی کثرت اور اِتنی باریکی کے ساتھ یاد کی گئی ہو۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

دلالت کا اصل مقام یہ ہے کہ اِس کا اثر **تحریف کے ناممکن ہونے** پر پڑتا ہے۔ جو متن صرف کتابوں میں محفوظ ہو، نسخوں پر قابو پا کر اُسے بدلا جا سکتا ہے۔ مگر جس متن کو دور دراز براعظموں میں لاکھوں انسان یاد کیے بیٹھے ہوں، جنہیں نہ کوئی ایک حکومت جمع کرتی ہے، نہ ایک زبان، نہ ایک ریاست، اور جو ہر دن پانچ بار نماز میں پڑھا جاتا ہو — اُس کا ایک حرف بدلنا **عملاً محال ہے**، کیونکہ وہ پہلی ہی باجماعت نماز میں پکڑا جائے گا۔ اور آیت اِسی کی طرف باریکی سے اشارہ کرتی ہے: «روشن آیتیں **سینوں میں**» — «صحیفوں میں» نہیں کہا۔ اور یہ اُس فرمان کی عملی تصدیق ہے: «بے شک ہم نے ہی یہ ذکر اُتارا ہے اور ہم ہی اِس کے محافظ ہیں» — ایک ایسے انسانی طریقے سے جسے دیکھا اور گِنا جا سکتا ہے۔

ہر آیت کا خاتمہ اُس کے مناسب

اور اللہ زبردست حکمت والا ہے ۞ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۞ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے

قرآن میں جا بجا آنے والے خاتمے

ایک خاتمہ دوسرے سے بدل دیں تو معنی بگڑ جائے

- ✓ سیاقِ سزا و قدرت — **«عزیزٌ حکیم»**
- ✓ سیاقِ توبہ و مغفرت — **«غفورٌ رحیم»**
- ✓ سیاقِ دعا و شکایت — **«سمیعٌ علیم»**

چھ ہزار سے زیادہ آیتیں… اور ہر خاتمہ اپنی جگہ

آیت کے مضمون اور اُس اسمِ الٰہی کے درمیان باریک ہم آہنگی جس پر وہ ختم ہوتی ہے

آسان لفظوں میں

قرآن کی اکثر آیتیں اللہ کے دو اسمائے حسنیٰ پر ختم ہوتی ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ **ہر خاتمہ اپنی آیت کے موضوع سے ٹھیک ٹھیک میل کھاتا ہے** — آپ ایک خاتمے کی جگہ دوسرا رکھ کر دیکھیے، فوراً محسوس ہوگا کہ کچھ بگڑ گیا ہے۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

عربی شاعری پورے قصیدے میں ایک ہی قافیہ نبھاتی ہے، اور اکثر **لفظ اُسی قافیے کی خاطر تکلف میں پڑ جاتا ہے** یہاں تک کہ شعر ایسے لفظ سے بھر دیا جاتا ہے جس کی ضرورت نہ تھی۔ یہ وہ عیب ہے جسے نقاد پہچانتے ہیں۔ اور کاہنوں کی مسجع عبارت تو اِس سے کہیں زیادہ متکلف تھی۔ سو توقع یہی تھی کہ فاصلوں والے کسی بھی متن میں یہی تکلف آ جائے۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

قرآن میں معاملہ بالکل اُلٹا ہے: **فاصلہ معنی کے تابع ہے، اُس پر حاکم نہیں**۔ سزا اور انتقام کی آیت «عزیزٌ ذو انتقام» پر ختم ہوتی ہے، توبہ کی آیت «غفورٌ رحیم» پر، اور دعا کی آیت «سمیعٌ علیم» پر — کیونکہ دعا مانگنے والے کو یہی درکار ہے کہ اُس کی سنی جائے اور اُس کا حال جانا جائے۔ اِس باریکی کی سب سے مشہور مثال: چوری کی آیت «**عزیزٌ حکیم**» پر ختم ہوتی ہے — حد نافذ کرنے میں عزت اور اُس کے مقرر کرنے میں حکمت؛ اور جب اُس کے بعد توبہ کی آیت آتی ہے تو وہ «**غفورٌ رحیم**» پر ختم ہوتی ہے۔ اِسی موضوع پر «علمِ فواصل» کے نام سے پوری پوری کتابیں لکھی گئی ہیں۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

یہ تجربہ خود کر کے دیکھیے: کسی بھی زبان سے کوئی لمبا مقفیٰ متن لیجیے اور جانچیے کہ کیا ہر قافیہ اپنے جملے کے مضمون سے ٹھیک ٹھیک میل کھاتا ہے۔ آپ کو یقیناً ایسے مقامات ملیں گے جو وزن یا قافیے کی خاطر بھر دیے گئے — اور انسانی کام میں یہ فطری ہے۔ قرآن میں چھ ہزار سے زیادہ آیتیں ہیں، جن میں سے اکثر کسی فاصلے پر ختم ہوتی ہیں، اور یہ **تئیس برس میں تھوڑا تھوڑا کر کے** نازل ہوا، بغیر کسی مسودے اور نظرِ ثانی کے۔ اتنی بڑی تعداد میں، اور نزول کے اِس انداز کے ساتھ، یہ ہم آہنگی قائم رہے — اِسے کسی لسانی مہارت سے، خواہ وہ کتنی ہی بڑی ہو، سمجھایا نہیں جا سکتا۔

مآخذ الزركشي — «البُرهانُ في عُلومِ القرآن» · فخر الدين الرازي — «مَفاتيحُ الغَيب»

اور اب... آپ اِس سب کا کیا کریں گے؟

ہم عنقریب اُنہیں اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور خود اُن کے نفسوں میں بھی، یہاں تک کہ اُن پر کھل جائے کہ یہی حق ہے۔ کیا آپ کے رب کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی نہیں؟

سورہ فصّلت — آیت 53

18	24	22	16	15
غیب	تاریخ	زندگی	زمین	آسمان

بہت سے الگ الگ دھاگے... سب ایک ہی سمت اشارہ کرتے ہیں

ان کے اتفاقاً جمع ہونے کا امکان صفر کے قریب

آپ سے کسی ایک دلیل کو ماننے کو نہیں کہا جا رہا... بلکہ اُن سب کو مل کر دیکھنے کو

آسان لفظوں میں

آپ کتاب کے آخر تک پہنچ گئے۔ جو دلیل بھی آپ کے سامنے سے گزری، اُس پر تنہا بحث کی جا سکتی ہے۔ مگر اصل سوال یہ ہے: **اِن سب کا ایک ہی شخص میں اتفاقاً جمع ہو جانا کتنا ممکن ہے؟**

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

تاریخ کی ہر قوم کے پاس کچھ نہ کچھ ایسا تھا جسے وہ بڑا مانتی تھی۔ مگر فرق کرنے والا سوال یہ ہے: کیا اُس کے پاس کچھ ایسا تھا **جسے جانچا اور جھٹلایا جا سکے**؟ داستانیں نہ کوئی وقت کی پابند پیش گوئی پیش کرتی ہیں، نہ کائنات کا ایسا بیان جو اپنے زمانے کے علم کے خلاف ہو، اور نہ کوئی کھلی للکار جو چودہ صدیاں قائم رہے۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

جو کچھ آپ نے یہاں پڑھا وہ پانچ بالکل الگ الگ دھاگے ہیں، اِن میں سے کوئی دوسرے پر منحصر نہیں: **کائنات کا ایک بیان** جو اپنے عہد کے علم کے خلاف تھا اور صدیوں بعد علم نے اُس کی تصدیق کی؛ **آثارِ قدیمہ کی گواہیاں** جو انکار کے بعد زمین کے نیچے سے نکلیں؛ **وقت کی پابند اور متعین پیش گوئیاں** جو جیسے کہی گئی تھیں ویسے ہی پوری ہوئیں؛ **خود مخالفوں کی اپنی کتابوں کے متن** جو آج بھی اُنہی کے ہاتھوں میں ہیں؛ اور ایک **کھلی لسانی للکار** جو قبول نہ کی گئی۔ ایک دھاگا گر بھی جائے تو باقی چار قائم رہتے ہیں۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

یہاں کی دلیل **مستقل شہادتوں کے جمع ہو جانے** کی دلیل ہے، اور یہی عدالت اور علم دونوں میں چلتی ہے۔ ایک دلیل شاید ممکن ہو، دو شاید اتفاق ہوں؛ مگر ایسے میدانوں سے درجنوں دلیلیں جن کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں — فلکیات، ارضیات، طب، آثارِ قدیمہ، تاریخ اور زبان — اور سب کی سب ایک ہی طرف اشارہ کریں، تو یہ اتفاق سے نہیں سمجھایا جا سکتا۔ اور قرآن آپ سے اندھی تقلید نہیں مانگتا؛ بلکہ سات سو سے زیادہ مقامات پر آپ کو دیکھنے اور غور کرنے کی دعوت دیتا ہے: «کیا وہ دیکھتے نہیں؟»، «کیا وہ غور نہیں کرتے؟»، «کیا وہ عقل نہیں رکھتے؟»، «کہہ دیجیے: اپنی دلیل لاؤ»۔ اور جس کا وعدہ کیا تھا وہ آپ کے سامنے رکھ دیا: **«ہم عنقریب اُنہیں اپنی نشانیاں آفاق میں اور اُن کے نفسوں میں دکھائیں گے»**۔ اور آپ نے دیکھ لیا۔ باقی تنہا آپ پر چھوڑا گیا ہے۔